اردو داستانوں کا آغاز وارتقا

داستان اور کہانی کا انسانی زندگی سے چولی دامن کا رشتہ ہے۔ جب کسی ادب کا وجود نہ تھا اور تفریح کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا تب یہی فرضی داستانیں لوگوں کو تھوڑی دیر کا سکون اور فرحت مہیا کراتی تھیں۔ دنیا کی ہر تہذیب کی ابتدا سے ہی اس طرح کی داستانوں کا وجود ملتا ہے جن میں سے کچھ ہی بہت بعد میں تحریری شکل میں آئیں۔ وقت کی فراوانی نے لوگوں کو طویل داستانوں کی طرف مائل کیا اور وہ لوگ کامیاب داستان گو بن کر سامنے آئے جو کسی بات کو اس کی بھرپور تفصیل کے ساتھ پھیلا کر پیش کر سکتے تھے۔ یوں تو ہر شخص میں داستانوی کہانیاں بنانے کی کچھ نہ صلاحیت تھی اور ہے لیکن کچھ لوگ یقیناً اس معاملے میں کچھ خاص صلاحیت لے کر پیدا ہوئے ہوں گے۔ ان لوگوں نے ہی داستان گوئی کے فن کو اپنایا اور ہر علاقے میں جہاں جہاں بھی انسانی آبادی تھی داستان گوئی کے فن کو فروغ دیا۔ ان کے اندر یقینی طور پر ذہانت عام لوگوں سے زیادہ رہی ہوگی۔ ان کا تخیل بھی یقیناً بہت بہتر رہا ہوگا جس کی وجہ سے وہ ان باتوں کے بارے میں بھی سوچ سکتے تھے جو کسی نے دیکھی نہ تھیں۔ اسی نے داستانوں میں بھوت، جن، دیو اور پری کو بھی کردار بنا کر پیش کیا اور ان کی شکل وصورت، بات چیت، خوراک، پہناوا سب کا ایک خاکہ لوگوں کے ذہن میں پیدا کیا۔ ان کی پیش کش میں یقیناً کوئی خاص اثر ہوتا ہوگا جس کی وجہ سے لوگوں کے ذہن میں بھی ان مافوق الفطری ہستیوں کا وہی عکس ابھرنے لگا جو وہ ابھارنا چاہتے تھے۔ یہی داستان گو تھے اور یہی داستان گوئی کی روایت تھی جس نے آگے چل کر جب تحریر کا زمانہ آیا تو داستان نویسی کا فن اپنایا۔

مافوق الفطری اور ناقابل یقین کردار وواقعات کے باوجود داستانوں کی نہ صرف ادبی بلکہ تہذیبی اہمیت بھی ہے۔ ادبی اہمیت تو سب سے بڑی یہی ہے کہ ساری نثری اصناف اسی سے نکلی ہیں۔ تہذیبی اہمیت اس لیے کہ تمام تر فرضی کردار وحالات وواقعات کے باوجود ان میں اس دور کی تہذیب پوری طرح نمایاں رہتی ہے۔ ان داستانوں کے مطالعے سے اس دور کی پوشاک، پہناوا، زیور، گھریلو سامان، رہن سہن، رسم ورواج، عقائد، رشتے، سماجی طور طریقے، مذہبی خیالات، زبان سب کی اچھی خاصی جھلک مل جاتی ہے۔

اردو ادب میں باقاعدہ داستانوں کا آغاز اٹھارویں صدی کے آخر میں تحسین کی نوطرز مرصع سے ہوتا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں تحسین کی نوطرز مرصع، باغ وبہار اور انشاء اللہ خاں انشاء کی رانی کیتکی کی کہانی کی داستانوں کو چھوڑ کر میر امن کی باغ وبہار حیدر بخش حیدری کی آرائش محفل اور طوطا کہانی، خلیل علی خاں اشک کی داستان امیر حمزہ، بہادر علی حسینی کی نثر بے نظیر، مظہر علی خاں ولاؔ اور للولال کی بیتال پچیسی، کاظم علی جوان اور للولال کی سنگھاسن بتیسی جیسی داستانیں فورٹ ولیم کالج کے تحت تصنیف ہوئیں اور اس کے بعد محمد بخش مہجور کی نورتن سرور

کی فسانہ عجائب، ہیم چند کھتری کی گل صنوبر، الف لیلیٰ، بوستان خیال، طلسم ہوش ربا، سخن دہلوی کی سروش سخن شیون کی طلسم حیرت اور الف لیلیٰ وغیرہ جیسی مختلف چھوٹی بڑی اور درمیانی داستانیں مخطوطہ و مطبوعہ انیسویں صدی کی آخر تک لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ اس وقت کی داستانیں عقلیت اور انسانی زندگی کی حقیقتوں سے دور ان کی دل لگی اور دلچسپی کے وسائل اور اصلاح کے ذرائع فراہم کرنے پر مشتمل ہوتی تھیں ان داستانوں کی ضخامت کا انحصار داستان گویوں پر تھا۔ لوگوں کی فرصت کو مد نظر رکھتے ہوئے داستان گو داستان لکھتے تھے۔

ان میں کچھ داستانوں کو ادبی طور پ ر بہر بلند مقام حاصل ہے۔ ان میں سر فہرست ہے میر امن کی باغ و بہار۔ اس داستان نے اردو نثر کے ارتقا میں خصوصی کردار ادا کیا۔ زبان کی سلاست، صفائی اور عام بول چال کے کافی قریب کا لب و لہجہ ہونے کی وجہ سے اس نے بعد کے نثر نگاروں کی رہنمائی کی۔ فورٹ ولیم کالج میں لکھے جانے کی وجہ سے اس پر انگریزی کے اسلوب کا بھی اثر رہا ہو گا۔ باغ و بہار کے ساتھ ہی فسانہ عجائب کا بھی ذکر ضروری ہے۔ یہ داستان رجب علی بیگ سرور نے میر امن کے جواب میں تحریر کی تھی۔ باغ و بہار جہاں دہلوی زبان و لب و لہجے کی نمائندگی کرتی ہے وہیں فسانہ عجائب لکھنوی تہذیب و معاشرت کی نمائندہ ہے۔ اس کی زبان، اسلوب اور طرز بیان واضح طور پر باغ و بہار سے الگ ہے۔ اس پر لکھنوی تکلف اور تصنع کی گہری چھاپ نمایاں ہے۔

اردو داستانوں میں جو مقبولیت طلسم ہوشربا اور داستان امیر حمزہ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آ سکی۔ یہ داستانیں اردو کے قارئین کی بڑی تعداد نے پڑھیں اور پسند کیں۔ اردو بولنے والوں کے علاقوں میں اور خاص طور پر دہلی اور لکھنؤ میں داستان گویوں کی اچھی خاصی تعداد تھی جو دیر رات تک اور کبھی کبھی رات بھر ان داستانوں کو سناتے تھے۔ بہت سے ایسے تھے جو ایک قصے کو ہفتوں اور مہینوں تک سناتے تھے لیکن سننے والوں کی دلچسپی ختم نہیں ہوتی تھی۔

اسی ضمن میں رانی کیتکی کی کہانی کا ذکر مناسب ہو گا۔ اس کی کہانی میں تو کوئی خاص بات نہیں لیکن اس کی زبان اردو ادب کی تاریخ میں ایک انوکھا تجربہ ہے۔ انشاء نے اس میں عربی فارسی الفاظ سے گریز کرتے ہوئے خالص ہندوستانی زبان کا نمونہ بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

صنعتی انقلاب کے بعد بدلتے ہوئے حالات میں ہندوستانی تاریخ نے کروٹ لی انسان نے اپنی زندگی گذارنے کے طریقے بدلے عام لوگوں میں نئی بیداری آئی اور قدیم رسم و رواج سے انحراف کر کے مغربی طرز معاشرت کے مطابق زندگی گذاری جانے لگی۔ نئی ذہنی اور ادبی فضاء سازگار ہوئی تو جدید تقاضوں نے پرانی روایت کو مسمار کر دیا۔ اسی بنیاد پر نئی ادبی روایتیں قائم ہوئیں اور اس کے زیر اثر افسانوی ادب میں حقیقت پر مبنی ناول لکھے جانے لگے۔ یہ زندگی سے قریب تھے اور پہلے تو زیادہ تر اصلاح کی غرض سے ہی لکھے گئے لیکن آگے چل کر سارے مسائل و موضوعات اس میں شامل ہو گئے۔